مالاکنڈ کے شعر و ادب پر سوات میں شورش کے اثرات

ڈاکٹر نقیب احمد جان
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
شعبۂ اردو، ویمن یونیورسٹی، صوابی

THE EFFECTS OF SWAT CRISIS ON LITERARY CONTRIBUTIONS OF MALAKAND

Naqeeb Ahmad Jan, PhD
Assistant Professor of Urdu
Department of Urdu, Women University, Sawabi

Abstract

The erstwhile state of Swat has been a peaceful valley since time immemorial. It is widely renowned for its scenic beauty. People of Swat are very peaceful and simple. But unluckily, this beautiful valley has seen some worst days of its history when it fell into the hands of terrorists who played havoc with the fate of its residents. The Swat people went through tremendous hardships during this time. Naturally, the sufferings of the people of Swat got inroads into works of poets and author of the valley. This article is an effort to remember those sorrowful days in light of writings of poets and authors belonging to Malakand Division.

Keywords:

مالاکنڈ، سوات، شعر، ادب، علامہ اقبال، محمد گل منصور، احمد فواد، بانگ درا

وادی سوات مالاکنڈ ڈویژن میں واقع ہے۔سوات کے مشرق میں ضلع شانگلہ اور کوہستان شمال میں گلگت اور چترال مغرب میں دیر اور جنوب میں ضلع بونیر واقع ہے۔سوات کی پوری وادی میں لمبائی کے رخ بہتا دریائے سوات اس کے حسن وجمال کا امانت دار ہے۔اس تاریخی دریا کو ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید میں سواستو کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اسی مناسبت سے اس علاقے کو بھی کسی زمانے میں سواستو کہا جاتا تھا۔سوات زمانہ قدیم سے مختلف اقوام کی آماج گاہ رہا ہے۔یہاں پر بدھ مت کے پیروؤں کے آثار سے ان کے یہاں قیام کے ثبوت ملتے ہیں تو سکندر اعظم اور سلطان محمود غزنوی کی فوج کی اس وادی میں آمد و قیام کے آثار بھی یہاں موجود ہیں۔وادی سوات قدرت کی کاریگری کا دل کش نمونہ ہے۔یہ خطہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی مصوری کا شاہکار ہے۔جس نے بھی سوات کے حسن کو ایک دفعہ دیکھا ہے وہ زندگی بھر اس کے حسین نظاروں کو دل سے نکال نہیں سکا ہے۔برف پوش پہاڑوں، سرسبز میدانوں، معطر فضاؤں اور رنگ ونور میں ڈوبی ہوئی اس وادی کو اگر انگلستان کی ملکہ الزبتھ سوئٹزرلینڈ آف دی ایسٹ کا نام دیتی ہے تو بے جا نہیں۔سوات کے اس قدرتی حسن و جمال کے حوالے سے قاری جاوید اقبال لکھتے ہیں:

> ''سوات کے علاقہ کو دیکھنے سے ایمان و یقین کی اس دولت میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ واقعی میرا رب حسین وجمیل ہے اور وہ حسن و جمال کو پسند کرتا ہے یہ اس کے حسن و جمال کی پسندیدگی ہی ہے کہ اپنی زمین کے بہت سے خطوں کو حسن و جمال کا ایسا روپ بخشا ہے کہ گمان ہونے لگتا ہے کہ کہیں نیک لوگوں کی جنت یہی سرزمین تو نہیں ایسے ہی خوب صورت خطوں میں سے ایک سوات کا خطہ ہے۔سوات کی سرزمین نے حسنِ کائنات کے حسین رنگوں کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے اس میں وسیع تر سبزہ زار میدان، برف پوش پہاڑ، پھولوں کے رنگ اور بسنت کے پھولوں کی زردی، مدھم ہوتے ہوئے سورج کی سرخی اور مختلف رنگوں میں اگنے والے پودوں کا قدرتی بناؤ سنگھار، ساون بھادوں کی جھڑیاں اور مور کی مینہ آوں مینہ آوں کی صدائیں، برفانی علاقوں کے مٹی اور لکڑی سے بنے ہوئے گھروں کی چمنیوں سے نکلتے ہوئے دھوئیں انسان کے لیے کس قدر دل کش دعوتِ نظارہ فطرت ہے۔''(۱)

کوئی اس وادی کو مشرق کا سوئٹزرلینڈ تو کوئی نیک لوگوں کی جنت کہتا ہے اور دیکھنے والی ہر آنکھ اس کے مسحور کن حسن وزیبائی میں محو ہو جاتی ہے۔دل اس کے شفاف حسن کے نظارے سے صاف وشفاف

ہو جاتا ہے اسی لیے تو یہاں رہنے والوں کے دل بھی اسی وادی ہی کی طرح حسین وجمیل اور صاف وشفاف ہیں اور ہر آنے والے مہمان کو یہاں کے لوگ اپنے گھروں اور حجروں کے ساتھ ساتھ اپنے دلوں میں بھی جگہ دیتے ہیں ۔قدرتی حسن سے مالا مال اس صاف وشفاف ماحول میں رہنے والے سادہ دل اور مخلص لوگ ہر کسی پر اندھا اعتماد کرتے ہیں ۔شاید یہی وجہ سے ان کی جنت میں آتشِ نمرود بھڑک اٹھی اور اس جنت کو آگ کے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔سوات میں شورش کی وجوہات کیا تھیں؟ وہ کون سے اسباب تھے کہ یہ جنت نظیر وادی تین چار برس تک پرہول اور آسیب زدہ جنگل سے بھی بدتر ہوگئی؟ ان حالات کے ذمہ دار کون تھے؟ اور کس کے گناہوں کی پاداش میں کس کو سزا ملی؟ یہ ساری باتیں اس مقالے کے موضوع سے باہر ہیں ۔ یہاں اجمالی طور پر یہ جائزہ لیا جائے گا کہ سوات کرائسز جس کو سوات کے عوام ''حالات'' کہتے ہیں یہاں کے شعر وادب پر کس قدر اور کس طرح اثر انداز ہوئے ۔ نہ صرف سوات بل کہ سوات کے اردگرد مالاکنڈ ڈویژن کے دوسرے اضلاع کے شاعروں ، ادیبوں اور صحافیوں نے ان حالات کو کس نظر سے اور کس تناظر میں دیکھا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے واقعات ہوئے ہیں ان کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے والے شاعر ،ادیب اور لکھاری ہوتے ہیں ۔وہ اپنی راتوں کی نیندیں حرام کر کے دن کو جو دیکھتے ہیں شب کی تنہائیوں میں انھیں زیبِ قرطاس کر دیتے ہیں اور اس طرح ہر واقعہ اور ہر انقلاب تاریخ اور ادبیات کا حصہ بن کر آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے ۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظم حکومت چہرہ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدہ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ(۲)

علامہ اقبال کے اسی دیدہ بینائے قوم یعنی شاعر وادیب نے سوات کرائسز کے دوران وہ مناظر دیکھے ہیں جن پر وہ رویا نہیں بل کہ خون کے آنسو رویا ہے ۔ جب سوات میں پولیس کا پہلا جوان دہشت گردوں کے ہاتھوں ذبح ہوا تو سوات کی پوری فضا پر نحوست کے بادل منڈلانے لگے ۔ ہر انسان چشمِ تصور سے اس انسانیت سوز عمل کو دیکھ رہا تھا کہ ایک انسان کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کو زمین پر گرایا گیا ہے اور

اس کی گردن پر چھری پھیری جا رہی ہے ۔ یہ تصور ہی اتنا ہول ناک ہے کہ انسان کی راتوں کی نیندیں حرام کر دیتا ہے ان لوگوں کے احساسات کیا ہوں گے جنھوں نے اس نوجوان کو جیتا جاگتا دیکھا تھا اور یا اس کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ پھر اس کے بعد ایک سلسلہ چل نکلا ہر صبح یہ خبر آتی کہ گذشتہ شب فلاں گاؤں میں فلاں ابنِ فلاں کو ذبح کیا گیا ہے ۔ یہاں تک کہ عورتوں کو نہیں بخشا گیا۔ مینگورہ کے گرین چوک میں دیکھنے والوں نے مستورات کی سر کٹی لاشیں لٹکتی ہوئی دیکھیں۔ ایسے ماحول میں ایک سنگ دل انسان بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے شاعر اور ادیب جیسے نرم دل حساس لوگوں کی کیا ذہنی کیفیت ہوگی۔ پھر میڈیا پر یہ خبر بھی آئی کہ سوات میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہوگیا اور حوا کی ایک بیٹی کو سرِ عام کوڑے مارے گئے ۔ نہ صرف یہ بل کہ اس کی ویڈیو بنائی گئی اور جنگل کی آگ کی طرح وہ پھیل گئی۔ پوری وادی میں ایسی بے یقینی کا عالم کہ کسی کو بھی یہ خبر نہیں کہ آیا وہ منظورِ نظر ہے یا معتوب ۔ ہر ابنِ آدم اور ہر بنتِ حوا اس خوف و ہراس میں مبتلا کہ کب اس کی ذبح ہونے کی باری آئے گی۔ آئے روز دھماکے اور دھماکوں میں بے گناہ انسانوں کے جسموں کے اڑتے ہوئے چیتھڑے ہر ماں کو اپنے جگر گوشوں کو گھر کی چار دیواری تک محدود کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ لیکن گھر کی چار دیواری کہاں محفوظ تھی ۔ بس سب کی آنکھوں میں خوف و وحشت اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے کہ الٰہی بس تیرا ہی آسرا ہے۔

پھر اس بے یقینی کے عالم میں امید کی ایک کرن نظر آنے لگی ۔ پاک فوج کو سوات میں امن کے قیام کا کام سونپا گیا۔ لیکن سوات کے باشندوں کو ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر چشمِ روزگار نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ سوات کے عوام کو آرڈر ملا کہ تین گھنٹے کے اندر اندر سوات خالی کیا جائے ۔ وہ مستورات جنھوں نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا گھر سے نکلنے پر مجبور ہوگئیں ۔ مرد، عورتیں ، بچے، بوڑھے، مریض و معذور سب نکلنے پر مجبور جن کو سواری میسر آئی ان کی خوش قسمتی ورنہ پا پیادہ انسانوں کا ایک سیل رواں وادی سوات سے بہنا شروع ہوگیا۔ کسی کو بھی خبر نہیں کہ ان کی منزل کہاں ہے؟ وہ کہاں جا کے ٹھہریں گے؟ وہ کب تک سوات واپس آ سکیں گے؟ وہ کبھی واپس آ بھی سکیں گے یا نہیں؟ سوات سے نکل کر وہ کہاں پناہ لیں گے؟ اہلِ سوات جو خود تختۂ مشق تھے ان کے لیے تو یہ دن روزِ محشر سے کم نہیں تھا ان کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی کب ملا تھا۔ دنیا کے جس بھی انسان نے یہ نظارہ دیکھا ہوگا، اس کی آنکھیں بھیگ گئی ہوں گی ۔ وہ سوات جس کا مسحور کن حسن دیکھنے کے لیے نہ صرف پاکستان بل کہ دنیا کے کونے کونے سے فطرتی حسن کے شیدائی یہاں کا رخ کرتے تھے آج اس کی یہ حالت تھی کہ خود اس کے باشندے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا غنیمت سمجھ رہے تھے ۔ وہ سوات جس کو

جنت کے نام سے یاد کیا جاتا تھا آج دوزخ کا منظر پیش کر رہا تھا۔اس دوزخ سے نکلنے والے بے سروساماں لوگوں کے لیے نہ صرف خیبر پختون خوا بل کہ پاکستان کے کونے کونے میں لوگوں نے اپنے گھروں اوردلوں کے دروازے کھول دیے۔اخوت و بھائی چارے کی وہ یاد ایک بار پھر تازہ ہوگئی جو کبھی مکہ سے مدینہ ہجرت کےوقت فلک کی آنکھ نے دیکھی تھی یا پھر قیام پاکستان کے وقت۔لیکن ان لوگوں کی حسرتوں کا کوئی مداوا ممکن نہیں جن سے ان کی جنت چھین لی گئی ہو۔

ان حالات کے ہمہ گیر اثرات ملک کے طول وعرض پر پڑے۔تاہم دوردراز کے علاقوں کے باسیوں نے یہ قیامت خیز مناظر اتنے محسوس نہیں کیے جتنے قریب رہنے والوں نے۔سوات کرائسز کے اثرات پورے ملک پر پڑے ہیں تاہم اس کو زیادہ شدت کے ساتھ مالاکنڈ ڈویژن ہی میں دیکھا اورمحسوس کیا جا سکتا ہے۔کرائسز کے اثرات ہر شعبہ زندگی پر مرتسم ہوئے اورابھی وہ زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تاہم یہاں کے شعر وادب پر جو اثرات پڑے ہیں وہ بہت واضح اور دیرپا ہیں اور شاید ان کی بازگشت یہاں کی تخلیقات میں تا دیر سنائی دیتی رہے گی۔

سوات کرائسز کے دوران کچھ ایسے نئے الفاظ سننے والوں کو ملے جن کا آج تک یہاں رواج نہیں تھا۔مثلاً کرفیو، جسے پشتو میں لوگ کرفی کہا کرتے تھے۔اس کے علاوہ مارٹر،توپ، جی تھری، راکٹ لانچر،خودکش،شیلنگ ،کوبرا، بی باون،میزائل، گن شپ ہیلی کاپٹر، چیک پوسٹ ،بارود، آپریشن ،ٹارگٹ کلنگ، سرچ آپریشن وغیرہ جیسے الفاظ یہاں کے لوگوں نے سنےاور یہاں کے شعر وادب میں ان کا استعمال ہونے لگا۔

وہ شعر وادب جوگل وبلبل اور عاشق ومعشوق کے تذکروں کے ساتھ ساتھ فطری حسن ،قدرتی نظاروں اور بےفکری کے مضامین سے بھر پور تھا اب خاک وخون، دھوئیں وبارود، انقلاب،ظلم وناانصافی، امن، عدل وانصاف کی ضرورت ، معاشی ومعاشرتی بدحالیوں کے مضامین سے مملو نظر آنے لگا۔سوات کے شاعر کو یہ گلہ رہا کہ چار پانچ سال کے مسلسل ظلم واستبداد اور پابندیوں میں جکڑے ہوئے سوات کے بے گناہ عوام کا پرسانِ حال کوئی نہیں۔محمد رضا خان رضا سوات سے تعلق رکھتے ہیں اور تلاشِ معاش کے سلسلے میں دوحہ قطر میں مقیم ہیں انھوں نے اپنے شعری مجموعے کو"سواته چا هيڅ او نه وي''یعنی(اے سوات کسی نے کچھ بھی نہ کہا) کے نام سے موسوم کیا۔اس کتاب کی ٹائٹل نظم کا ایک بند کچھ اس طرح سے ہے:

ستا په ښايست چې د نفرت د اور باران کېدو

سواته چا هېڅ و نه وې

ستا د مينو ستا په غېږ کښې چې قتلان کېدو

سواته چا هېڅ و نه وې

ستا د وږمې وږمې سحر د مازيګر نه قربان

سواته چا هېڅ و نه وې

ستا د ګلاب ستا د چنار ستا د ننجتر نه قربان

سواته چا هېڅ و نه وې

په هر زمان په هر مکان چې دې تاوان کېدو

سواته چا هېڅ و نه وې (۳)

ترجمہ: تیرے حسن پر جب نفرتوں کی آگ کی بارش ہو رہی تھی، اے سوات کسی نے زبان نہیں کھولی۔ تیرے چاہنے والوں کا تیری گود میں قتلِ عام ہورہا تھا، اے سوات کسی نے زبان نہیں کھولی۔ تیری نکہت بار صبح اور سہ پہر کے صدقے ، وہ بارود سے آلودہ ہوگئے۔ تیرے گلاب ، چنار اور چیڑ و دیودار کے صدقے، وہ بارود سے آلودہ ہوگئے۔ ہر لمحہ اور ہر مقام پر تم کو گھاٹے کا سامنا تھا، اے سوات کسی نے زبان نہیں کھولی۔

یہ اہلِ سوات کی زندگی میں ایسا عرصہ تھا کہ ہر نئی صبح ایک نئی قیامت کا سامنا رہتا۔ شاعر وادیب ان حالات وواقعات کو دیکھتے ہوئے دم بہ خود تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کے قویٰ جواب دے گئے تھے۔ بہت ساری نفسیاتی بیماریوں نے یہاں کے عوام میں جڑیں پکڑلی تھیں ۔ایک مسلسل بے یقینی کی فضا نے لوگوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ادیبوں اور شاعروں کے پیارے جرمِ بے گناہی میں دارِ فانی سے رخصت ہوگئے تھے۔ایسے ہی ایک شاعر غلام حق سائرؔ ہیں جن کے جگر گوشے کو ٹینک کے گولے نے نگل لیا تھا۔شاعر موصوف نے اپنی کتاب کو"د ارمان په خلې"کے نام سے موسوم کیا ہے جس کے معنی ہیں"ارمان کی قبر پر"۔لامحالہ یہ کتاب اس نام سے موسوم نہ ہوتی اگر سوات کرائسز سے پہلے شائع ہوتی یا سوات کو کرائسز کا سامنا نہ پڑا ہوتا۔سائرؔ کے شہید بیٹے کے مرثیے میں لکھتے ہیں:

ته پکښې نه ئې زه به ستا کلی ته ځنګه لاړ شم

خاموش خاموش تنها تنها کلی ته ځنګه لاړ شم

زه ستا د یادو کوم بوتکی ته سترګي واړومه
په پټو سترګو دي اشنا کلی ته څنګه لاړ شم ۔(۴)

ترجمہ: تمھاری غیر موجودگی میں، میں گاؤں کیسے جاؤں گا،اس خاموش اور تنہا گاؤں میں کیسے جاؤں۔ میں تمھاری یادوں کے کون کون سے نشاں کو نظر انداز کروں گا،(اور اگر ایسا نہ کروں تو) بند آنکھوں سے میں تیرے گاؤں کیسے جاؤں؟

ریاستِ سوات کے باشندوں نے ادغام کے دن ہی سے اپنے آپ کو دل و جان سے پاکستانی سمجھا اور وفاق کے ہر فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔سوات کے عوام بہت محبّ وطن ہیں اور انھوں نے پاکستان میں ادغام کے بعد پاکستان کو ہی اپنا گھر سمجھا ہے اور اس پر اپنی پہچان کے طور پر فخر کیا ہے۔جب سوات کے عوام کو سوات سے نکلنا پڑا تو پاکستان کے باقی علاقے کے لوگوں نے ان کے ساتھ اخوت اور بھائی چارے کا وہ برتاؤ کیا کہ اہلِ سوات کو بے گانگی کا احساس نہ ہونے دیا۔پھر بھی اپنے بھرے پرے گھروں کو چھوڑ کر جب یہ لوگ اپنے بچوں اور مستورات کے ساتھ طویل اور پر خطر راستوں کو پا پیادہ طے کر کے خیمہ بستیوں میں مقیم ہوئے تو ان کے احساسات کیا تھے، سوات کے گاؤں گالوچ کے رہائشی پشتو کے شاعر محمد گل منصور کے الفاظ میں:

دا ستا نازکي پښي په کاڼو کښي د تللو نه وي
داسي سر تور سر به دي غره د اوړېدلو نه وي
ته پښتنه وې تا خو ټول عمر حیا کړی وه
دا ستا خبري د چا غېر د اورېدلو نه وي
تا ته به خپل د ایلم غر درياد‌ېدو او که نه
تا ته د کلي مازیګر درياد‌ېدو او که نه
تا سرو غرمو کښي ژوندون څنګه تېر کړو
تا په خېمو کښي ژوندون څنګه تېر کړو ۔(۵)

ترجمہ: تیرے یہ نازک پیر پتھروں پر چلنے کے لیے نہیں تھے،تو اس طرح بے نقاب اس پہاڑ پر سے چڑھ گزرنے کے لیے نہیں بنی تھی۔تو پشتون دوشیزہ تھی تم نے تو ساری زندگی حیا میں گزاری تھی، تیری باتیں کسی غیر کے سننے کے لیے نہیں تھیں۔تجھے اپنے ایلم کے پربت کی یاد آتی تھی کہ نہیں؟ تجھے گاؤں کے

سہ پہر کی یاد آتی تھی کہ نہیں؟ تو نے جھلستی دھوپ میں کیسے دن گزارے؟ تو نے خیموں میں کیسے گزر بسر کی؟

منصور نے نظم کے اس بند میں اس سلگتے احساس کو زباں دی ہے جو سوات کے ہر اس باشندے کے دل و دماغ کو ناگ کی طرح ڈس رہا تھا جو ان حالات میں اپنے کنبے اور اپنے اہلِ خاندان سے دور پردیس میں مزدوری کے لیے بسر کر رہا تھا۔ کوئی بھی فرد یہ نہیں چاہتا تھا کہ مصیبت کی ان گھڑیوں میں وہ اپنے بال بچوں سے دور رہے لیکن ان کے گزر اوقات کے لیے انھیں اپنے پیاروں سے دور رہنا پڑا تھا اور ان کے سلگتے احساسات کو صرف وہ خود ہی محسوس کر سکتے تھے کوئی اور نہیں۔

انھی بے بسی کے دنوں کی یادگار ہر اہلِ قلم کے نوکِ قلم سے نکلی ہے۔ کسی کا کلام شائع ہوا ہے کسی کا زیورِ اشاعت سے ابھی آراستہ نہیں ہوا لیکن ہر دردمند دل رکھنے والا انسان ان حالات پر خون کے آنسو رویا ہے۔ اور اپنے خونِ جگر کو اس نے ان واقعات کو محفوظ بنانے کے لیے روشنائی بنایا ہے۔

احمد فواد سوات کے قابل سپوت ہیں۔ ان کے اب تک تین شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ سوات کے ان دگرگوں حالات کو انھوں نے بھی دیکھا اور چشمِ بصیرت سے دیکھا ہے۔ احمد فواد کی ہر غزل میں چاندنی کا سماں ہے۔ وہ آبشاروں، جھرنوں، دریاؤں، مرغزاروں، جنگلوں، قدرتی مناظر، پگڈنڈیوں، پہاڑوں، سمندروں اور کائنات میں موجود ہر حسین شے کو ایک استعارہ بنانے والے شاعر ہیں۔ لیکن سوات کے حالات نے ان کی شاعری میں بھی خاک و خون، بارود، دھوئیں، گرد و غبار، انسانی چیخوں، توپوں کی گھن گرج، کرفیو، بندوق، سر کٹی لاشوں اور موت کے رقص جیسے الفاظ بھر دیے ہیں۔ احمد فواد درویش صفت انسان ہیں جو کسی کے ڈر یا دباؤ میں آ کر حق بات سے چشم پوشی کرنے والے نہیں ہیں۔ سوات کے حالات پر انھوں نے نظم اور نثر دونوں میں نہایت بے باکانہ انداز میں لکھا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں لکھی ہوئی ان کی طویل آزاد نظم ''سوات زخموں سے نڈھال'' میں سے چند مصرعے یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ لکھتے ہیں:

''پڑ رہی ہے ایسی ہر جانب سے مار
ہے یہ دامن تار تار
دھول بن کر اڑ رہا ہے سب وہ پھولوں کا دیار

قریہ قریہ قصبہ قصبہ خون میں لت پت پڑا ہے آج کل

ندیاں کیوں گنگ ہیں پھولوں کے ڈیرے کیا ہوئے
سوات زخموں سے نڈھال
گولیوں کی سنسناہٹ کتنے ہونٹوں کا تبسم کھا گئی
آہنی گولوں کی ظالم گڑگڑاہٹ سے کہیں
نغمہ ریزی میں سدا مصروف دریا چل بسا
سوات زخموں سے نڈھال ۔۔۔۔۔
سرکٹی لاشوں نے ان چوکوں کا ماضی کھا لیا
گولیوں کی تڑتڑاہٹ آسمانوں تک گئی
اپنے سوئے پاسبانوں تک گئی
کوچہ کوچہ گھوم پھر کر
موت کے قدموں نے سارے شہر کو اپنا لیا
سوات زخموں سے نڈھال (۶)

احمد فواد کی اس نظم میں ترکیب بند کے انداز میں ٹیپ کا مصرع سوات زخموں سے نڈھال، اور پھر آزاد نظم کے اندر ان کی پابند نظمیں ایک سماں باندھ دیتی ہیں۔ کہانی بیان کرتے وقت وہ مثنوی کا انداز اپناتے ہیں تو چھوٹے چھوٹے واقعات کو غزلیہ انداز اور یا پھر قطعے کی شکل میں پھر ہر بند کے پیچھے وہی ٹیپ کا مصرع سوات زخموں سے نڈھال۔ اس نظم میں انھوں نے سوات کے ان دنوں کا پورا نقشہ کھینچ رکھا ہے۔ انھوں نے ان اسباب کی طرف بھی اشارے کیے ہیں جو ان حالات کے ذمہ دار ہیں اور پھر ان کے لیے ذمہ داروں کی شناخت بھی زیرِ لب واضح کر دی ہے۔ مقالے کی طوالت کا خیال نہ ہوتا تو یہ ساری نظم ضرور یہاں شامل کی جاتی۔ اسی آزاد نظم کے اندر ایک اور بند جو قطعے کی شکل میں ہے، لکھتے ہیں:

ہے زمیں بارود سارا آسماں بارود ہے
پہلے کیا تھا بھول جاؤ اب یہاں بارود ہے
جس جگہ یہ مسکرایا گھر کا گھر بھک سے اڑا
میری بربادی کی ساری داستاں بارود ہے
ایک اک کر کے وہ ساری بولیاں چپ ہو گئیں

اب یہاں گویا فقط آتش زباں بارود ہے۔۔۔
دیکھ کر آگے چلیں خودندیاں پگڈنڈیاں
جاننا ممکن نہیں ہے یاں کہاں بارود ہے
سوات زخموں سے نڈھال (۷)

آج شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جسے خودکش بمبار کے نام سے شناسائی نہ ہو۔یہ اصطلاح سارے عالم میں خوف و دہشت کا ایک استعارہ ہے۔اس کی تاریخ اتنی طویل نہیں۔یہ اصطلاح خلیج کی جنگ میں متعارف ہوئی ہے اور وہاں سے افغانستان سے ہوتے ہوئے پاکستان آ پہنچی ہے۔شعر و ادب معاشرے اور حالات کا ترجمان ہوتا ہے اس لیے یہ اصطلاح اب شعر و ادب کا بھی ایک حصہ ہے۔سوات سے تعلق رکھنے والے صحافی، ادیب اور شاعر فضل خالق فضل کی ایک نظم "خودکش" کچھ اس طرح سے ہے:

بس چٹکی بھر کا کام ہے یہ
اب جنت تم کو ملتی ہے۔۔۔
بس چند لمحوں کے بدلے میں
بارود کی ٹھنڈی چھاؤں تلے
صرف اپنے آپ کو اڑوا دو
کچھ ننھی منی جانوں کو
کچھ بے گناہ انسانوں کو
تم لے چلو تم لے اڑو
بس چٹکی بھر کا کام ہے یہ
اب جنت تم کو ملتی ہے (۸)

یہاں کے شعر و ادب میں دہشت گرد، شدت پسند، خوف و وحشت، چھری وغیرہ جیسے الفاظ در آئے۔راقم کی ایک مختصر سی آزاد نظم ہے:

"آج یہ سورج کیوں تھر تھر کانپ رہا ہے؟؟؟
کیا
کوئی شدت پسند۔۔
کوئی دہشت گرد۔۔۔

اس کی گردن پر بھی
چھری پھیرنے والا ہے؟؟؟"(۹)

سوات کرائسز سے نہ صرف یہ کہ سوات کا شاعر وادیب متاثر ہوا ہے بل کہ قرب و جوار کے علاقوں کے شعرا وادبا کے کلام میں بھی اس قیامتِ صغریٰ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مالاکنڈ کے دوسرے اضلاع، شانگلہ، بونیر، دیر اور مالاکنڈ کے شعر وادب پر بھی ان حالات کی گہری چھاپ محسوس کی جا سکتی ہے۔ شانگلہ سے تعلق رکھنے والے عطا الرحمٰن عطا جہانزیب کالج سوات میں پشتو کے پروفیسر ہیں ان کے کلام میں بھی ان استعاروں اور اصطلاحوں کی جھلک دکھائی پڑتی ہے۔ کہتے ہیں:

امن یارانو د سپوږمۍ د پلوشو ټالونه
امن ملګرو د شفق د پسرلو رنګونه
امن د ګلو د خوشبو نه ډکه پکه فضا
امن د مستو ابشارونو د ژوندون سازونه
امن د غرونو میدانونو زړه راښکونکے منظر
امن د ځوانو لولکو د ښکلا ډك رقصونه
څوك چې دا نه غواړي انسان ورته به څه اووايم۔(۱۰)

ترجمہ: دوستو! امن چاند کی کرنوں کے جھولے ہیں، امن شفق کی بہاروں کا رنگ ہے۔امن پھولوں کی خوشبوؤں میں رچی بسی ہوئی فضا ہے، امن مست جھرنوں کی زندگی کا ساز ہے۔امن پہاڑوں اور میدانوں کا دل رُبا منظر ہے، امن جوان تتلیوں کا دل کش رقص ہے۔۔۔ جو امن کا طلب گار نہیں میں اسے انسان کیسے کہوں؟

مالاکنڈ ڈویژن کے ضلع دیر کے باسی شاعر فضل حکیم عندلیب کے کلام میں بھی ان حالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

نن چې د یو کوره لوګے د تنور پورته نه شو
ما وې که خلق د دې کلی نه په کلبه تلی
د بر کنډلو په تور ګړنګ توره خارو ناسته وه
خو د پښتوا په شان په خله کښې ئې سندره نه وه

د سرو منګو ماتو کودرو راته ځکه ژړل
چې ئې په خو اکښې د ګودر په سینه اور بلېدو۔(۱۱)

ترجمہ: آج جب کسی بھی گھر سے تندور کا دھواں نہ اٹھا تو میں نے سوچا شاید اس گاؤں کے لوگ یہاں سے نقل مکانی کر چکے ہیں۔دور بلندی کی طرف درّے کے کالے ابھار پر کالی مینا بیٹھی تھی لیکن پہلے کی طرح اس کی زبان نغمہ ریز نہیں تھی۔سرخ گھڑوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے میرے سامنے اس لیے بین کر رہے تھے کہ اس کے پہلو میں پن گھٹ کے سینے سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔

ان قیامت خیز حالات کے سوات کے حسن وخوب صورتی اس کے جاہ وجلال اور زندگی پر کیا اثرات پڑے؟اس کو ہر انسان نے اپنی بصیرت ،اپنے علم،اپنے جذبات واحساسات اور اپنے انداز سے دیکھا۔عام لوگوں کا اس وقت کیا تاثر تھا اس کو عبدالقیوم بلالہ نے اپنی کتاب داستانِ سوات میں محفوظ کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''عام تاثر: عام تاثر یہ ہے کہ سوات اب سوات نہیں بل کہ آثارِ قدیمہ ہے۔۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء کے قلیل عرصہ میں تاریخی یادگاریں مسمار کی گئیں۔سرکاری ونجی آرام گاہیں،ہوٹل اور ڈاک بنگلے مٹی کے ڈھیر بن گئے۔سیاحوں اور مہمانوں سے بھرے ہوئے بازاریں اور دکانیں خاموش کالونی میں تبدیل ہو گئے،آباد گاؤں اور قصبے ویرانے بن گئے۔''(۱۲)

مالاکنڈ کے ڈاکٹر شیر زمان سیماب پشتو شعروادب میں ایک جانے پہچانے نام ہیں۔آج کل پشاور یونیورسٹی پشتو اکیڈمی سے بہ طور ریسرچ آفیسر منسلک ہیں۔ان کی شاعری میں پختگی ،روانی اور بے ساختگی ہے۔وہ امن اور جنگ کا انتہائی خوب صورت انداز میں اپنی ایک معریٰ نظم میں موازنہ کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

امن د ژوند د ښائستونو د ښکلا نامه ده
جنګ یو خونکاره داړوره زوروره بلا
امن د ژوند د سترګو نور هم دے هم رنګ او وقا
جنګ قهرېدلے دے وحشی دے او قاتل د رڼا
--- امن موسی راوړو د طور د هغه بره غوښتې
جنګ د فرعون انانیت دے او دعوه د خدائی ۔ (۱۳)

ترجمہ: امن زندگی کی دل فریبیوں کے حسن ورعنائی کا نام ہے، جنگ ایک خون خوار، مہیب وناداں اور ظالم

اژدہا ہے۔امن زندگی کی آنکھوں کا نوراور وفا کا رنگ ہے ۔جنگ، پھنکارتا ہوا وحشی ، جنگ روشنیوں کی قاتل ہے ۔موسیٰ طور کے اس سرافراز ٹیلے سے امن لے آئے اور جنگ تو فرعون کی انانیت اورخدائی کے دعوے کا مظہر ہے۔

ادب زندگی کا ترجمان ہوتا ہے اور کوئی چاہے کتنا ہی ادب برائے ادب کے نظریے کا شیدائی ہولیکن پھر بھی حالات وواقعات، زندگی میں آنے والے اتار چڑھاؤ، شخصی ،اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی جھلک ادبیات میں نظر آنا لازمی ہے ۔نظم تو موضوعی صنف ہے اور اس میں شاعر سوچ سمجھ کر کسی موضوع پر قلم اٹھاتا ہے ۔غزل کا ہر شعر جداگانہ مضمون کا حامل ہوتا ہے اور غزل گل وبلبل اور عاشق ومعشوق کے تذکروں کے لیے مختص صنفِ شعر ہی سمجھی جاتی رہی ہے لیکن جب کبھی معاشرے میں ظلم وناانصافی اور بدامنی کا ماحول پیدا ہوا غزل بھی اپنا دامن اس کے اثرات سے بچا نہیں پائی ۔اردو غزل میں سب سے پہلے قومی درد کو زباں دینے والے مولانا الطاف حسین حالی ہیں اور ان کے بعد اس روایت کو آج تک بدستور نبھایا جاتا رہا ہے۔حالی کی اس اختراع کے بارے میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:

> ''حالی پہلے شاعر ہیں جنھوں نے غزل کو سماجی اور اجتماعی زندگی سے متعلق مسائل اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ۔ان کی غزلیں جاگیردارانہ فضاء، دربار اور درباری ماحول اور انفرادی زندگی کو خیر باد کہتی نظر آتی ہیں ۔ان میں ملک اور قوم کا درد ہے اور ہندوستان کی اُداسی کی فضا ہے۔''(۱۴)

اردو غزل نے پشتو غزل کو بھی متاثر کیا۔ وہی مضامین یہاں بھی نظر آنے لگے۔ پھر تین دہائیاں پہلے روس کے افغانستان پر یلغار اور وہاں کی جنگ نے پشتون شاعر کو لاشعوری طور پر مجبور کیا کہ وہ اپنی دوسری تخلیقات کے ساتھ ساتھ غزل میں بھی قومی وملکی امور کو زیر بحث لائے۔ سوات کرائسز کے قیامت خیز حالات پر لکھی گئی نظموں میں ان حالات کی تصویر کشی تو ہونی ہی تھی اس کے ساتھ ساتھ مالاکنڈ کی غزل پر بھی ان حالات کی بھرپور چھاپ پڑی ہے اور تقریباً ہر شاعر کی ہر ایک نہیں تو دوسری تیسری غزل میں ایک آدھ شعر لازمی طور سے ایسا نکل ہی آتا ہے جس میں ان حالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ذیل میں مشتے از خروار کے طور پر چند غزل گو شعرا کی غزلوں کے اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

سوات کے محمد الیاس ثاقب پشتو کے بہت شیریں زبان غزل گو ہیں۔ان کی غزلوں میں رومانیت، گل وبلبل اور معاملاتِ عشق کے ساتھ ساتھ مزاحمتی رنگ دکھائی پڑتا ہے ۔ثاقب کی خصوصیت یہ ہے کہ چاہے کتنی رومانی غزل کیوں نہ ہو اس کے اندر ایک یا دو شعر قوم کے درد اور قوم کی بدحالی کے

حوالے سے ضرور لکھتے ہیں ۔ کہتے ہیں:

ټوپك اخلو خو په هغه وخت غربت شی
احیستل چې د کتاب رابانديې راشی
مشران زمونږ له دې وجې خاموش دی
هسې نه چې احتساب رابانديې راشی ۔(۱۵)

ترجمہ: ہم بندوق خریدتے ہیں لیکن جس وقت کتاب خریدنے کی بات آتی ہے تو ہم غریب ہو جاتے ہیں ۔ہمارے بڑے (راہنما) اس لیے خاموش ہیں کہ ایسا نہ ہو ان کا احتساب ہو۔

محمد حنیف قیس سوات کے جانے مانے پشتو شاعر ہیں ۔وہ سوات کے فطری حسن اور دل ربا خوبصورتی کے گن پچھلے چالیس پینتالیس برس سے گاتے آرہے ہیں لیکن اب ان کے کلام میں سوات کرائسز کے اثرات واضح محسوس کیے جاسکتے ہیں ۔کہتے ہیں:

دا د کوم جرم سزا ده لویه خدایه
په جنت کښې زمونږ غوښې تور کارغان خوری(۱۶)

ترجمہ: اے ہمارے عظیم خدا! یہ کس جرم کی پاداش میں جنت کے اندر کالے کوے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں؟

پروفیسر ڈاکٹر علی خیل دریاب مالاکنڈ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے چیئر مین ہیں ۔وہ زیرک اہلِ قلم اور نغمہ سنج غزل گو ہیں ۔ان کی غزلوں پر بھی ان حالات کی چھاپ واضح محسوس کی جاسکتی ہے ۔کہتے ہیں:

بې د بارودو نور څه نه وروی
دا عمل پیره داسې اسمان کړی ده(۱۷)

ترجمہ: اب کے آسمان نے یہ ٹھان لیا ہے کہ وہ بارود کے علاوہ کچھ نہیں برسائے گا۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ګوډاګی یو لوبوی او ګلبوی مو
د اغیارو په لاسونو کښې راګیر یو
د ګلونو د رنګونو په وطن کښې
د بارودو په درنګونو کښې را ګیر یو(۱۸)

ترجمہ: ہم اغیار کے ہاتھوں میں پھنسی ہوئی کٹھ پتلیاں ہیں وہ ہمیں کھلاتے اور نچاتے ہیں۔ پھولوں اور رنگوں کے وطن میں ہم بارود کے کانوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

خیام یوسفزے مالاکنڈ کے ابھرتے ہوئے غزل گو شاعر ہیں اور سعودی عرب میں روزگار کے سلسلے میں مقیم ہیں۔ وہاں پر بھی وہ اپنے دیار سے بے خبر نہیں اور اپنی قوم کا دکھ انھیں وہاں بھی ہے ان کی غزلوں میں ان اثرات کو دیکھیے:

د وختونو تقاضي شوي اور وريني
چيناروته مو د کلي د گودر خوري (۱۹)

ترجمہ: وقت کے تقاضے شعلوں میں لپٹے ہوئے ہیں جو ہمارے گاؤں کے پن گھٹ کے چناروں کو کھائے جا رہے ہیں۔

پروفیسر پریشان خٹک نے سیف الملوک صدیقی کی کتاب انداغ کے دیباچے میں لکھا کہ میرا خیال تھا کہ صدیقی بہت اچھا شاعر ہے لیکن جب میں پہلی دفعہ سوات آیا اور یہاں کی وادیوں، مرغزاروں، قدرتی نظاروں اور موسم کی سحر آفرینیوں کو دیکھا تو میرے دل میں آیا کہ یہاں کے تو ہر باشندے کو بے بدل شاعر ہونا چاہیے۔ آج پریشان خٹک زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ سوات کے بہت سارے باشندے شاعر ہیں اور سوات کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ سوات پر گزرے قیامت خیز حالات کی ترجمانی بھی کر رہے ہیں۔ اگر ان میں سے ۴،۳ فی صد شعرا کے کلام سے ہی نمونے پیش کیے جائیں تو اس مقالے کی ضخامت سینکڑوں صفحات تک پھیل جائے گی اس لیے مزید نمونے پیش کرنے سے احتراز کیا جا رہا ہے۔

مالاکنڈ سے تعلق رکھنے والے جمیل یوسفزئی نے سوات میں رونما ہونے والے واقعات کو افسانوی رنگ دے کر ایک کتاب "نوحہ بے نام" کے نام سے شائع کی ہے۔ سال ۲۰۱۵ء میں ان کی یہ کتاب اردو زبان میں شائع ہوئی۔ وہ اردو میں اپنی کم مائیگی کا اعتراف بھی کرتے ہیں لیکن اپنے پیغام کو پورے خطے تک پھیلانے کی غرض سے انھوں نے اردو میں لکھا۔ لکھتے ہیں:

"یہی وہ حالات تھے جس نے مجھے لکھنے اور پھر اردو میں لکھنے پر مجبور کیا۔ کیونکہ میں تمام اہل وطن کو سوات کا مرثیہ سنانا چاہتا ہوں۔" (۲۰)

ان کی یہ کتاب ۱۵۵ صفحات اور ۱۵ کہانیوں پر مشتمل ہے اور ان کی یہ کاوش ان سینکڑوں ان کہی اور ان سنی کہانیوں میں سے مشتے از خروارے کے مصداق ہے جو سوات کرائسز کے دوران اہل سوات پر کہیں قیامتِ صغریٰ تو کہیں قیامتِ کبریٰ بن کر برپا ہوئیں۔

کرائسز کے دوران میڈیا اور صحافت سے وابستہ رہنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا کیونکہ ایک خبر، ایک تبصرہ یا ایک رائے یا تو آپ کی گردن پر چھری پھر جانے کا سبب بن سکتا تھا یا ہمیشہ کے لیے آپ کو کال کوٹھڑی میں بھیجنے کا، لیکن سوات میں کچھ ایسے باہمت اور باشعور میڈیا اور صحافت سے وابستہ افراد موجود تھے جو اپنی جان کی قیمت پر بھی دنیا کو سوات کے حالات سے باخبر رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔ان میں سے فضلِ ربی راہی، فیاض ظفر، امجد علی سحاب، فضل خالق فضل، سبحانی جوہر، ظفر خلمانی، ڈاکٹر سلطانِ روم، احمد فواد، احسان الحق حقانی، فضل محمود روخان، بدرالحکیم حکیم زے اور ان کے علاوہ اور بہت سارے نام ہیں جنھوں نے اپنا فرض نبھانے میں کوتاہی نہیں کی۔فضلِ ربی راہی کے کالموں کی کتاب ''اور سوات جلتا رہا'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ ۲۹۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ان کے ۶۶ کالم ہیں جو سارے کے سارے سوات کرائسز کے دوران یا اس کے فوراً بعد لکھے اور شائع کیے گئے ہیں۔ان میں راہی نے جراتِ رندانہ سے کام لیتے ہوئے عوام کی ترجمانی کی ہے اور سوات کے مفاد کے لیے اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا ہے۔فضلِ ربی راہی کی اس کتاب کے مندرجات کے حوالے سے سوات کے بے بدل شاعر اور سلیقہ مند لکھاری احمد فواد کے یہ الفاظ کافی ہیں:

> ''ایسے مشکل اور دگرگوں حالات میں اگر کوئی سچ بیان کرنے پر اصرار کرتا ہے تو ایسے قلم کے آگے سجدہ نیاز بجا ہے۔اس پر فخر کرنا جائز ہے۔اس حرماں نصیب، جیب و داماں دریدہ خطہ کے الم نصیب باشندے بالخصوص اور سب اہلِ وطن بالعموم یقیناً اس جواں سال اہلِ قلم کو اپنا محسن سمجھیں گے۔چوں کہ وہ سب کچھ براہِ راست دیکھ اور سن رہا ہے اس لیے سچائی اپنے پورے ننگے وجود کے ساتھ اس کی ان تحریروں میں موجود ہے۔''(۲۱)

احسان الحق حقانی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''۲۰۰۶ء سے شروع ہونے والے فساد نے فضل ربی راہی کے قلم سے سوات کے گنگناتے آبشاروں، شہد، پھلوں اور پھولوں کے تذکرے چھین لیے اور انھیں خودکش دھماکوں اور ہجرت و تباہی کی کہانیاں تھمائی ہیں۔فضل ربی راہی نے خوشگوار اور ناخوش گوار دونوں فرائض بہ خوبی نبھائے ہیں اور زیرِ نظر کتاب اس دعوے کے حق میں کافی شہادت ہے۔''(۲۲)

سوات کرائسز کے بعد اہلِ قلم اور اہلِ علم و دانش کو اس امر پر سوچنے کا خیال پیدا ہوا کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہر کوئی اپنے طور پر ان محرکات کی کھوج میں ہے۔بدرالحکیم حکیم زے ایک فطری محقق ہیں

سوات کے یہ دھان پان سے آدمی تحقیق کے میدان کے شہسوار ہیں۔آج کل باچا خان یونیورسٹی میں پشتو کے لیکچرار کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔انھوں نے سوات میں انتہا پسندی کے محرکات پر تحقیق کی ہے اور ان کی اس کتاب کا نام ہے ''سوات میں انتہا پسندی کے چند محرکات (ایک مختصر مطالعہ)''۔کل ۱۰۷ صفحات پر مشتمل ہیں۔حکیم زے نے انتہائی دقیق نظر سے سوات کرائسز کا تجزیہ کیا ہے اور سوات کے ریاستی دور سے پہلے دور کا جس میں محمود غزنوی کی سوات آمد پھر یوسف زئیوں کی آمد پھر ریاستی دور کا اس کے بعد پاکستان کے ساتھ ادغام کے بعد کے دور کا جائزہ لیا ہے۔انھوں نے کرائسز کو سوات کے عوام کی نفسیات اور معاشی و معاشرتی کمزوریوں اور میلان کی روشنی میں دیکھا ہے۔ان کی کتاب سوات کی وجہ بہ وجہ تاریخ اور لوگوں کی نفسیات کا ایک حقیقت پسندانہ جائزہ ہے۔حکیم زے سوات کرائسز کا سب سے بڑا سبب طبقاتی جبر تشخیص کرتے ہیں۔کہتے ہیں:

''سوات کا خون کے سمندر میں نہلائے جانے کا سب سے بڑا محرک طبقاتی جبر ہے،جس کی طوالت ہزاروں سال دورانیے پر محیط ہے۔یہ جبر مختلف اوقات میں مختلف شکل و صورت اختیار کر کے سماج کو بدرنگ کرتا آرہا ہے۔''(۲۳)

سوات کی ایک بیٹی تبسم مجید نے سوات کرائسز پر حال ہی میں ایم فل کا مقالہ تحریر کیا ہے جس میں سوات کرائسز کے حوالے سے مبنی بر تحقیق اور قابلِ قدر معلومات موجود ہیں۔تبسم مجید گرلز کالج سیدو شریف میں پولیٹیکل سائنس کی لیکچرار ہیں۔ان کے مقالے کا عنوان INSURGENCY IN SWAT conflict settlement and peace building ہے۔تبسم نے اپنے مقالے کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔کرائسز سے پہلے،کرائسز کے دوران اور کرائسز کے بعد۔۱۲۸صفحات پر مشتمل اس کتاب کے تین ادوار کا غائر مطالعہ سوات کرائسز اس کے محرکات اور اسباب پر پوری حد تک روشنی ڈالنے میں مد ثابت ہوسکتا ہے۔

سوات کرائسز کوئی چھوٹا سا حادثہ یا واقعہ نہیں تھا یہ تین صبر آزما سالوں پر محیط بے بسی،لاچاری، ظلم وتعدی،بدامنی،قتل و غارت،بے یقینی،بداعتمادی،بے بضاعتی،جرمِ بے گناہی کے مجرموں اور ایسی سزاوں کا سلسلہ تھا جس میں نہ سزا پانے والے کو معلوم تھا کہ وہ کس جرم کی سزا پا رہا ہے اور نہ سزا دینے والا جانتا تھا کہ کیوں سزا دے رہا ہے۔یہ حضورِ پرنور ﷺ کی اس حدیث کے مصداق فتنوں کا وہ زمانہ تھا جس میں نہ قاتل کو پتہ تھا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور نہ مقتول کو خبر تھی کہ وہ کیوں قتل ہو رہا ہے۔ان تین سالوں میں ہزاروں کہانیاں جنم لے چکی ہیں جن میں سے کچھ منظر عام پر آچکی ہیں،کچھ ابھی اس انتظار

میں ہیں کہ کوئی کھوج لگانے والا آئے اور انھیں نکال باہر کرے اور زیادہ تر تو ایسی کہانیاں ہیں جو شاید ہمیشہ کے لیے ان کہی رہ جائیں۔ان تین سالوں میں موجودہ نسل نے جو کچھ دیکھا ہے وہ کبھی اشاروں کنایوں، کبھی تشبیہات واستعاروں اور کبھی تمثیلوں کی صورت میں سامنے آتا رہے گا جس کی بازگشت اس خطے کے شعروادب میں نئی تشبیہات، استعاروں، کنایوں، تمثیلوں، تراکیب اور الفاظ ومحاورات میں مدتوں سنائی دیتی رہے گی۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) جاوید اقبال، قاری، ثقافتِ سرحد تاریخ کے آئینے میں، لوک ورثہ کا قومی ادارہ، اسلام آباد بہ اشتراک الفیصل ناشران، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۲۸۲

(۲) محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال (بانگِ درا)، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، س۔ن۔، ص ۴۰

(۳) رضا، محمد رضا خان، سواته چا هېڅ او نه وې، شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز منگورہ سوات، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۲۲

(۴) سائر، غلام حق، د ارمان په خلی، جان کتاب کور کبل سوات، جولائی ۲۰۱۴ء ص ۱۰۳

(۵) منصور، محمد گل، ته د غوږونو والی مه خرڅوه، شعیب سنز پبلشرز منگورہ سوات، جنوری ۲۰۱۷ء، ص ۱۷۱

(۶) احمد فواد، سوات زخموں سے نڈھال؛ مشمولہ، ماہنامہ شعور، فضل ربی راہی، سوات مارکیٹ منگورہ سوات، شمارہ مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۳۰

(۷) ایضاً، ص ۳۱

(۸) فضل، فضل خالق، خودکش؛ مشمولہ، ماہنامہ شعور، فضل ربی راہی، سوات مارکیٹ منگورہ سوات، شمارہ مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۳۲

(۹) جان، نقیب احمد، احساس، جان کتاب کور کبل سوات، ۲۰۱۰ء، ص ۷۰

(۱۰) عطا، عطاء الرحمان، ود سپوږمۍ د پلوشو ټالونه، شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز منگورہ سوات، ۲۰۱۵ء، ص ۳۳

(۱۱) عندلیب، فضل حکیم، ونې، بلال پریس بٹ خیلہ، مالاکنڈ، ۲۰۱۰ء، ص ۲۱۵

(۱۲) بلالہ، عبدالقیوم، داستانِ سوات، جان کتاب کور کبل سوات، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۵۹

(۱۳) سیماب، ڈاکٹر شیر زمان، د دار په سر، جان کتاب کور کبل سوات، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۸، ۱۸۹
(۱۴) نارنگ، گوپی چند، ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور اردو شاعری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۴۴
(۱۵) ثاقب، محمد الیاس، د نمر په خیره، جان کتاب کور، کبل سوات، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۶
(۱۶) قیس، محمد حنیف، غیر مطبوعہ کلام
(۱۷) دریاب، ڈاکٹر علی خیل، بهیر د جمال، اعراف پرنٹرز ندیم ٹریڈ سنٹر محلہ جنگی، پشاور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۰۷
(۱۸) ایضاً، ص ۱۸۷
(۱۹) خیام یوسفزے، جام جنون او جانان، ہمیشہ پشتو ادبی ٹولنہ، اماندرہ مالاکنڈ، مارچ ۲۰۱۵ء، ص ۸۷
(۲۰) جمیل یوسفزے، نوحه بے نام، رڑا پشتو ادبی ٹولنہ الہ ڈھنڈ ڈھیری، مالاکنڈ، ۲۰۱۱ء، ص ۳
(۲۱) احمد فواد، بے بسی اور درد کے یہ اظہاریے، مشمولہ؛ اور سوات جلتا رہا، فضل ربی راہی، شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز، منگورہ سوات، ۲۰۱۱ء، ص ۱۶
(۲۲) احسان حقانی، جابر سلاطین کے سامنے کلمہ حق، مشمولہ؛ اور سوات جلتا رہا، فضل ربی راہی، شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز، منگورہ سوات، ۲۰۱۱ء، ص ۲۳
(۲۳) حکیم زے، بدر الحکیم، سوات میں انتہا پسندی کے چند محرکات (ایک مختصر مطالعہ)، عامر پرنٹ اینڈ پبلشر، محلہ جنگی پشاور، دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۱۴

✿✿✿